بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم رحمہ اللہ

(م ۱۸۲ھ)

مولانا محمد صدیق ہزاروی جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

"نگران کا ظلم پر اُتر آنا، رعایا کی ہلاکت کے ہم معنیٰ ہے اور اس کا قابلِ اعتماد اور بھلے آدمیوں کے علاوہ کسی اور کو دست و بازو بنانا عوام کی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے ـــــ رعایا کی فلاح و بہبود اِسی میں ہے کہ حُدودُ اللہ نافذ کی جائیں ان (عوام) پر نہ تو حکومت کی طرف سے کوئی ظلم ہو اور نہ وہ خود حقوق کے مشتبہ ہونے کی وجہ سے باہم ظلم کریں۔" [1]

عباسی خلیفہ ہارون الرشید کو نہایت جرأت و بے باکی سے ان الفاظ کے ساتھ عوام الناس کی خیر خواہی کی طرف متوجہ کرنے والی عظیم شخصیت تاریخِ اسلام میں "قاضی ابو یوسف" رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے معروف ہے۔

مولد و نسب | ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن خنیس بن سعد ۱۱۳ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے۔ جدِ اعلیٰ حضرت سعد بن حبتہ رضی اللہ عنہ کو صحابیٔ رسول ہونے کا

---

[1] ابو یوسف قاضی، کتاب الخراج ص ۶۱۔

شرف حاصل تھا اور وہ انصار کے قبیلہ اوس کے چشم و چراغ تھے۔ حبتہ، آپ کی والدہ ہیں جو بنو عمرو بن عوف سے تعلق رکھتی تھیں جبکہ والد، بجیر بن معاویہ، بنو عمرو بن عوف کے حلیف قبیلہ بجیلہ سے متعلق تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ان حضرات میں سے ایک ہیں جنہیں غزوۂ اُحد کے موقعہ پر صغر سنی کی وجہ سے شریک جہاد نہ کیا گیا۔ غزوہ خندق میں آپ نہایت پامردی اور ہمت سے لڑ رہے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں داد شجاعت دیتے دیکھا تو بلا لیا۔ فرمایا "نوجوان! تم کون ہو؟ حضرت سعد نے عرض کیا "سعد بن حبتہ" رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے برکت دی اور قریب بلا کر دست اقدس ان کے سر پر پھیرا۔[1]

حضرت نعمان اور حضرت خنیس، آپؓ کے صاحبزادے ہیں، نعمان نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حدیث روایت کی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا جنازہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے پڑھایا۔[2]

تحصیل علم قاضی ابو یوسف، تفسیر، مغازی اور ایام العرب کے حافظ تھے اور فقہ ان کا ادنیٰ سا علم تھا، آپ کا شمار، حفّاظ حدیث میں ہوتا تھا۔

اولاً اصحاب حدیث کی طرف میلان تھا پھر مشہور فقیہ اور قاضی ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ کے حلقہ درس میں شریک ہوئے جہاں حدیث کے ساتھ فقہ کا بھی چرچا تھا۔ نو برس تک اس درس سے متعلق رہنے کے بعد امام اعظم ابو حنیفہؒ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس تبدیلی کی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں مثلاً بعض فقہی مسائل میں، ابن ابی لیلیٰ

---

[1] ابن عبد البر نمیری، الاستیعاب برحاشیہ الاصابہ ج ۲ ص ۵۲۔

[2] ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ ج ۲ ص ۲۲۔

سے اختلاف، ابن ابی لیلیٰ کا عہدۂ قضا قبول کرنا اور امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد امام زفر سے گفتگو کے دوران ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ رحمہما اللہ کے فقہی مسلک میں تفاوت کا احساس۔[۱]

لیکن زیادہ قرین قیاس اور انسب بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ کو ابن ابی لیلیٰ کی مجلس میں اس بات کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ امام ابو حنیفہ کا علمی اور اجتہادی مقام ابن ابی لیلیٰ سے کہیں زیادہ ارفع ہے، کیونکہ قاضی ابو یوسفؒ نے بارہا دیکھا کہ ابن ابی لیلیٰ اپنے فضل و کمال کے باوجود امام ابو حنیفہ کی آراء کو کافی وزن دیتے ہیں اور مشکل مسائل میں ان کی رائے معلوم کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، چنانچہ قاضی ابو یوسف نے امام اعظمؒ سے براہِ راست استفادہ کی خاطر آپ کے حلقۂ درس میں شمولیت اختیار کی۔[۲]

خاندانی طور پر معاشی حالت ناگفتہ بہ ہونے کی وجہ سے، والد ماجد آپ کو کسب معاش پر مجبور کرتے تھے لیکن تحصیل علم کے شوق میں آپ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ایک دن والد نے حلقہ درس سے اٹھا لیا اور گھر آ کر سمجھایا بیٹا! ابو حنیفہ کے قدم بہ قدم نہ چلو ان کو تو پکی پکائی روٹی ملتی ہے جبکہ تمہیں اپنا پیٹ پالنے کے لیے محنت و مشقت کی ضرورت ہے۔ چند دن بعد امام ابو حنیفہؒ نے بلا لیا کیونکہ آپ جان چکے تھے کہ طالب علم باصلاحیت اور ہونہار ہے۔ امامؒ نے غیر حاضری کا سبب پوچھا تو قاضی ابو یوسفؒ نے عرض کیا" والد کی اطاعت اور پیٹ کی فکر"، چھٹی کے بعد جب تمام طلباء چلے گئے تو امام ابو حنیفہؒ نے ایک تھیلی دی ور

---

[۱] شمس الدین سرخسی، المبسوط ج ۳ ص ۱۲۸ تا ۱۲۹۔

[۲] ابن احمد المکی، الموفق ص ۲۱۳ ج ۲۔

فرمایا خرچ کرو، ختم ہو جائے تو بتا دینا لیکن پڑھنا مت چھوڑو۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے باہر آکر دیکھا تو تھیلی میں ایک سو درم تھے، چند روز بعد مزید سو درہم دے دیئے حالانکہ میں نے اشارتاً بھی ختم ہونے کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اسی طرح بے طلب عنایت ہوتی رہی حتیٰ کہ میں آسودہ حال ہو گیا۔[1] ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ والد کا آپ کے بچپن میں انتقال ہو گیا تھا والدہ نے ایک دھوبی کی دوکان پر ملازم رکھوا دیا آپ فارغ اوقات میں بلکہ اکثر کام کاج کے دوران بھی اہلِ علم کی مجلس میں شریک ہو جاتے اور وہاں درس سے اٹھا کر لے جاتیں ایک دن امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا نیک بخت! جا ایک دن ہو گا کہ یہ علم سیکھ کر فالودہ مع روغن پستہ کھائے گا یہ سن کر وہ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئیں۔ چنانچہ قاضی القضاۃ مقرر ہونے کے بعد ایک دن ہارون الرشید کے دسترخوان پر فالودہ مع روغن پستہ پیش ہوا تو آپ مسکرائے خلیفہ نے وجہ پوچھی تو آپ نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ خلیفہؒ نے حیرت زدہ ہو کر کہا "علم دین و دنیا میں عزت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ امام ابو حنیفہؒ پر رحم فرمائے وہ عقل کی آنکھ سے وہ کچھ دیکھتے تھے جو ظاہری آنکھوں سے نظر نہ آتا تھا۔"[2] امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کفالت نے آپ کو اس قابل بنا دیا کہ آپ فکر معاش سے آزاد ہو کر یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ تحصیلِ علم میں منہمک ہو گئے اور پھر خداداد ذہانت اور مسلسل جدّ و جہد سے وہ علمی مقام حاصل کیا کہ استاذ نے مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے فرمایا "یہ جوان مر گیا تو زمین کا سب سے بڑا عالم اٹھ جائے گا"[3]

---

[1] خطیب بغدادی، تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۲۴۴۔

[2] ابن کثیر البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۱۸۰۔

[3] محمود بن محمد بن عرنوس، تاریخ القضاء فی الاسلام (اردو) ص ۲۹۲۔

اساتذہ قاضی ابویوسف قدس سرہٗ نے امام ابوحنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ رحمہما اللہ کے علاوہ دیگر کئی اصحاب علم وفضل کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

ہشام بن عروہ، ابواسحاق شیبانی، عطار بن سائب، سلیمان بن اعمش، سلیمان تیمی، یحییٰ بن سعید انصاری، لیث بن سعد، عبداللہ بن عمر عمری، حنظلہ ابن ابی سفیان، حجاج بن ارطاۃ اور حسن بن دینار سے علم حدیث حاصل کیا۔[1] محمد بن اسحاق سے سیر ومغازی اور کلبی اور سعید بن عروبہ کی تصانیف سے تفسیر سیکھی[2] امام مالکؒ کے مشہور شاگرد اسد بن فرات سے موطا امام مالک کی سماعت کی۔[3]

خصوصی تربیت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے خاص طرز تعلیم اور خصوصی علمی مجلس نے آپ کی علمی تربیت میں نمایاں کردار ادا کیا امام صاحب کی اہم علمی مجلس جس میں جلیل القدر فضلاء شریک ہوتے تھے، محض سماعت یا املاء کی مجلس نہ تھی بلکہ یہاں مسائل پر تفصیلی بحث ومذاکرہ ہوتا تھا جس میں استاذ و شاگرد آزادانہ حصہ لیتے بسا اوقات تلامذہ کے درمیان گفتگو ہوتی اور امام ابوحنیفہ خاموشی سے سنتے رہتے اور آخر میں دلائل کے ساتھ اپنا موقف بیان فرماتے اس موقف پر بھی بحث ہوتی بسا اوقات ایک ہی مسئلہ پر کئی کئی دن بلکہ مہینہ بھر تک گفتگو جاری رہتی[4] اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امام ابویوسف رحمہ اللہ نے علم حدیث وفقہ میں کس قدر کمال حاصل کیا ہوگا امام ابوحنیفہ کی تربیت نے آپ میں اجتہادی صلاحیتیں پیدا

---

[1] نور بن محمد بن عرنوس: تاریخ القضاء فی اسلام اردو ص ۲۹۲
[2] ابن بزاز الکردری مناقب امام اعظم جلد اول ص ۵۰۔
[3] محمد نجات اللہ صدیقی مقدمہ کتاب الخراج ص ۳۳۔
[4] ابن بزاز الکردری مناقب امام اعظم جلد اول ص ۵۰۔

کریں حتیٰ کہ آپ اجتہاد کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوئے جیسا کہ ہم آگے چل کر آپ کی اجتہا
حیثیت کے ضمن میں عرض کریں گے۔

درس وتدریس اور تلامذہ

امام ابو یوسف قدس سترہ کی زندگی کا اکثر حصہ تحصیل علم، قضاء اور تصنیف وتالیف میں گزرا۔
آپ نے حلقہ درس بھی قائم فرمایا۔ ۱۵۰ھ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا وصال ہوا او
۱۶۶ھ میں آپ (ابو یوسف) منصب قضا پر فائز ہوئے اس درمیانی عرصہ میں آ
نے سلسلہ تدریس جاری رکھا بلکہ قاضی بننے کے بعد بھی آپ فارغ اوقات میں تشنگا
علم حدیث وفقہ کی علمی پیاس بجھاتے رہے۔ چنانچہ آسمان علم وحکمت کے چمکتے و
ماہتاب، امام محمد بن حسن شیبانی (م ۱۸۹) جو امام ابوحنیفہ کے خصوصی تلامذہ میں ا
ابو یوسف کے بعد دوسرے درجہ پر ہونے کے علاوہ مجتہد منتسب ہیں، آپ کے
ممتاز تلامذہ میں سرفہرست ہیں۔ صاحب مذہب امام شافعی رحمہ اللہ کو امام محمد
شرف تلمذ حاصل ہے علاوہ ازیں راس المحدثین امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ او
فقہ حنبلی کے امام، امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن آدم القرشی، یحییٰ بن معین، اسد بن فر
وکیع بن جراح، ابراہیم بن سلمہ طیاسی، علی بن مدینی، قاضی ابراہیم بن جراح، بشر
ولید کندی اور علی بن جعد رحمہم اللہ آپ کے تلامذہ میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں
مشہور ادیب عمرو بن بحر الجاحظ (م ۲۵۵ھ) کو بھی آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے
آپ دو بار بصرہ تشریف لے گئے پہلی بار ۱۸۰ھ میں اور دوسری بار

---

[1] محمد نجات اللہ صدیقی، مقدمہ کتاب الخراج اردو ص ۳۵۔

میں دونوں بار متعدد علماء نے آپ سے حدیث و فقہ میں استفادہ کیا۔[1]

اجتہادی حیثیت اجتہاد کے لغوی معنی مشقت برداشت کرنا اور کوشش کرنا ہے[2] اور اصطلاح شرع میں، ان ادلۂ شرعیہ سے جو اصول شرع قرآن، سنت، اجماع اور قیاس میں پائے جاتے ہیں، فروعی شرعی احکام کے استنباط میں انتہائی علمی قوت صَرف کرنا اجتہاد کہلاتا ہے[3]

مجتہدین کی تین اقسام ہیں:

۱۔ مجتہد مطلق: اسے مجتہد فی الشرع بھی کہتے ہیں وہ مجتہد جو اصول و فروع میں کسی کا مقلد نہ ہو۔ جیسے ائمہ اربعہ۔

۲۔ مجتہد مطلق منتسب: وہ مجتہد جو کسی معین امام کی طرف منسوب ہو مگر چونکہ اس میں شروط اجتہاد پائی جاتی ہیں اس لیے وہ اس امام کی نہ تو دلائل (اصول) میں تقلید کرتا ہے نہ مذہب میں۔ بلکہ قوت اجتہادیہ کے سبب وہ خود تقلید سے معذور رہے ہاں طرز اجتہاد میں البتہ اس مجتہد (جس کی طرف وہ منسوب ہے) کے طریقہ کی پیروی کرتا ہے۔

۳۔ مجتہد فی المذہب: جو مذہب میں کسی مستقل امام کا تابع ہو اس کے اصول کو دلائل سے مستحکم کرے۔ اور اس کے اصول و قواعد کے خلاف نہ کرے[4]

---

[1] خطیب بغدادی، تاریخ بغداد جلد ۱۴، ص ۲۵۵۔

[2] جمال الدین محمد بن مکرم لسان العرب جلد ۳، ص ۱۳۵۔

[3] امام احمد رضا بریلوی، فتاوی رضویہ جلد ۱ ص ۳۷۵، اجلی الاعلام ص ۱۔

[4] عبدالاول جونپوری، مفید المفتی، ص ۶۲۔

مجتہدین کی مندرجہ بالا تقسیم اور تعریف کو پیش نظر رکھتے ہوئے امام ابویوسف علیہ الرحمہ کے اجتہادی کارناموں کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہو کر سامنے آتی ہے کہ آپ مجتہد منتسب تھے اس لیے کہ آپ نے اکثر مسائل میں اپنے اجتہادی فکر سے کام لیا بلکہ خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی جانتے تھے کہ میرے دونوں شاگرد امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ درجہ اجتہاد پر فائز ہیں اور مجتہد کا کام اپنے اجتہاد پر عمل کرنا ہے نہ کہ غیر کے اجتہاد پر چنانچہ امام اعظمؒ نے ان کو اپنے اس قول پر عمل کرنے سے روکا جس کی دلیل ان کے لیے ظاہر نہ ہو اور فرمایا کسی کے لیے میرا قول اختیار کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک اسے یہ نہ معلوم نہ ہو جائے کہ میں نے کہاں سے لیا بعض مسائل میں ان حضرات کو امام ابوحنیفہؒ کے دلائل سے آگاہی نہ ہو سکی چنانچہ انہوں نے امام صاحب کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ان کا قول ترک کر کے اپنی رائے پر عمل کیا لہٰذا یہ دونوں حضرات مجتہد مطلق تھے البتہ انہوں نے اپنے استاذ کی تعظیم و احترام میں انہی کے اجتہادی اصول اختیار کئے اور ان کے مذہب کے نقل و تائید اور اشاعت کی طرف متوجہ ہوئے اور امام صاحبؒ کی طرف ہی منسوب ہوئے، اپنا علیحدہ فقہی مذہب قائم نہ کیا۔[1] آپ خود فرماتے ہیں کہ جب میں کسی مشکل مسئلہ کو کتاب و سنت کی روشنی میں حل نہ کر سکتا تو امام ابوحنیفہ کے اجتہاد سے کام لیتا اور اس کے مطابق فیصلہ کرتا۔[2]

ایک موقعہ پر آپ نے فرمایا "جب میری رائے ابوحنیفہ کی رائے کے مطابق ہوتی ہے تو مجھے بڑی تقویت محسوس ہوتی ہے لیکن جب کسی مسئلہ میں ان سے اختلاف کرتا

---

[1] عبدالحی لکھنوی، مولانا مقدمہ شرح وقایہ ص ۹۔

[2] ابن احمد المکی۔ الموفق ج ۲ ص ۲۴۲۔

ہوں تو اپنے دل میں بڑا رشک اور ضعف محسوس کرتا ہوں[1] ہمارے اس موقف کہ آپ اگرچہ مجتہد مطلق تھے گو اس معنیٰ میں نہیں جس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تھے بلکہ آپ مجتہد مطلق منتسب تھے۔ اس بات سے بھی تائید حاصل ہوتی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ اپنے اجتہاد کی بنا پر کوئی قول پیش کرتے لیکن بعد میں معلوم ہوتا کہ خود امام ابوحنیفہ کا یہ قول موجود ہے۔ چنانچہ خود قاضی ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میں جب بھی اپنے اجتہاد کی بنا پر کوئی قول پیش کرتا تو کیا دیکھتا کہ امام ابوحنیفہ وہی قول پیش کر چکے ہوتے ہیں[2] گویا آپ میں تمام اجتہادی خصوصیات بدرجہ اتم موجود تھیں اور آپ مجتہد مطلق تھے لیکن وجوہات مذکورہ بالا کی بناء پر آپ نے علیحدہ راہ اختیار نہ کی بلکہ فکرِ ابی حنیفہ ہی کو اپنایا اور مجتہد مطلق منتسب کہلائے۔

مستحسن انداز اختلاف

کتب فقہ اور خود قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کی تصانیف میں اُن مسائل کا تفصیلی ذکر پایا جاتا ہے جن میں آپ کے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اجتہاد میں اختلاف واقع ہوا۔ امت کے درمیان اس انداز کا اختلاف رحمت ہے اور اسی سے علم کی راہیں کھلتی ہیں۔ امام اعظمؒ ابوحنیفہ اور آپ کے تلامذہ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور تھے اور امام صاحب نے وسعت قلبی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے تلامذہ کو جامد تقلید کا پابند نہیں بنایا بلکہ اجتہادی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی عام اجازت دی۔ لیکن اس ضمن میں قابل رشک بات یہ ہے کہ قاضی ابو یوسف علیہ الرحمہ نے عام دستور کے مطابق اختلافی مسائل میں مدمقابل بننے اور محض اپنے دلائل پیش کرنے کا انداز اختیار نہیں کیا بلکہ علمی امانت کی ادائیگی کا کماحقہٗ فریضہ ادا کیا اپنے

---

[1] کردری مناقب امام اعظم ج اول ص ۹۹۔

[2] ابن عابدین شامی ج اول ص ۵۰۔

استاذ کی رائے بیان کرتے ہوئے اسے دلائل و براہین سے موئید کیا اور قیاس و استحسان کی وجہ بھی بتائی بلکہ آپ نے استاد محترم کی دلیل کا حوالہ نہایت ضروری سمجھا۔

بے آباد زمین کی آبادی کے سلسلہ میں حاکم وقت کی اجازت ضروری ہے یا نہیں؛ امام ابو یوسف اسے ضروری نہیں سمجھتے کیونکہ از روئے حدیث آباد کرنے والا اس کا مالک ہے لہٰذا اذن امام کی حاجت نہیں مگر امام ابو حنیفہ اس کے لیے حاکم کی اجازت ضروری قرار دیتے ہیں۔ قاضی ابو یوسفؒ دونوں نظریات اور ان کے دلائل و براہین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جو شخص بنجر زمین کو آباد کرے وہی اس کا مالک ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر حاکمِ وقت کی اجازت حاصل ہو جائے تو جو کوئی بھی کسی افتادہ زمین کو آباد کرے وہ اس کا مالک ہو جائے گا مگر حاکمِ وقت کی اجازت کے بغیر مالک نہیں بنے گا۔ اور امام کو یہ اختیار حاصل رہے گا کہ زمین اس فرد کے قبضہ سے نکال لے اور کرایہ پر دے دے یا بطور جاگیر کسی کے حوالے کر دے مجھ (ابو یوسفؒ) سے کہا گیا کہ ابو حنیفہ کی شان سے بعید ہے کہ انہوں نے یہ بات کسی دلیل کے بغیر کہہ دی ہو کیونکہ حدیث میں آتا ہے "جس نے مردہ زمین آباد کی وہ اسی کے لیے ہے" لہٰذا میں ان کی دلیل واضح کروں کیونکہ میں نے یقیناً امام سے ان کی حجت و دلیل سنی ہوگی۔ میں (ابو یوسف) نے کہا کہ اس سلسلہ میں وہ بطور دلیل کہہ سکتے ہیں کہ زمین کی آبادکاری امام کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ دیکھئے! دو شخص ایک ہی جگہ کو آباد کرنا چاہتے ہوں اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کو ایسا کرنے سے روکے تو تمہارا کیا خیال ہے ان دونوں میں سے کون اس جگہ کا زیادہ حقدار ہوگا۔ اسی طرح

کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کے گھر کے سامنے واقع افتادہ زمین کی آبادکاری عمل میں لانا چاہے اور گھر والے کو اقرار بھی ہو کہ اس کا اس زمین سے کوئی تعلق نہیں مگر وہ اس لیے آباد نہ کرنے دے کہ چونکہ یہ میرے گھر کے سامنے ہے اور اسکی آبادکاری سے مجھے نقصان ہوگا۔ تو اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟۔

قاضی ابویوسف علیہ الرحمہ نے امام ابوحنیفہ قدس سرہ کی مندرجہ بالا دلیل کو نقل کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ آپ کے موقف پر بظاہر جو اعتراض وارد ہو سکتا تھا۔ کہ اس میں حدیث کی مخالفت ہے تو اس کی بھی قابلِ تسلیم وعمل توجیہ فرما کر استاذ کے دامن کو ہر قسم کے داغ سے بچا لیا۔ اس سے بڑھ کر دیانت داری کیا ہو سکتی ہے تاریخ میں ایسی بہت کم مثالیں ملتی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں؛

"حقیقت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں امام کی اجازت لوگوں کے درمیان نزاع کو ختم کرنے کے خیال سے ضروری قرار دی ہے جب امام (حاکم) اس بارے میں کسی آدمی کو اجازت دے دیگا تو اس کو آبادکاری کا اختیار مل جائے گا۔ یہ اجازت دینا جائز اور مناسب بات ہے اور اگر حاکم کسی فرد کو ایسا کرنے سے روک دے تو روکنا بھی درست ہوگا امام کی اجازت یا ممانعت کی صورت میں لوگوں کے درمیان ایک ہی جگہ کے سلسلہ میں کشمکش کی نوبت آئے گی اور نہ ایک دوسرے کو ضرر رسانی کی۔ امام ابوحنیفہؒ نے جو بات کہی وہ اس باب میں مروی آثار کو رد نہیں کرتی۔ حدیث کا خلاف تب ہوتا

جب وہ یہ کہتے کہ حاکم کی اجازت سے آباد کرنے والا بھی اس زمین کا مالک نہیں بنتا اب جو یہ کہتا ہے کہ اس صورت میں زمین اس فرد کی ملکیت ہو جائے گی تو اس کا یہ کہنا اس حدیث کا اتباع ہوگا اضافہ صرف حاکم کی اجازت ضروری قرار دینے کا کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کے باہمی تنازعات کا سدِ باب ہو اور ایک دوسرے کو ضرر رسانی کی نوبت نہ آئے[1]

حنفی مجلس شوریٰ اور امام ابو یوسفؒ

سراج الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو دیگر ائمہ کے مقابلہ میں ایک خصوصیت یہ بھی حاصل ہے کہ آپ نے اپنے اجتہادی فکر کو امت مسلمہ پر ٹھونسنے کی بجائے اسے باقاعدہ اصحاب فکر و نظر کے سامنے رکھا اور بحث و مباحثہ کے بعد متفق علیہ رائے ملت اسلامیہ کے سامنے پیش کی۔ چنانچہ آپ نے ایک مجلس مشاورت قائم کر رکھی تھی جس میں تقریباً ایک ہزار فقہاء جمع ہوتے، چالیس فقہاء تو وہ تھے جو درجہ اجتہاد کو پہنچ چکے تھے۔ امام اعظمؒ اُن کو اپنے قریب بٹھاتے اور جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا اس پر باقاعدہ بحث ہوتی۔ ہر ایک کو اس پر رائے زنی کی ہدایت و اجازت تھی۔ اور وہ اس بات میں آزاد تھے ..... کہ ان کے پاس جو اخبار و آثار ہوں پیش کریں۔ غور و خوض کے بعد جس رائے پر اتفاق ہو جاتا اسے نقل کر دیا جاتا یہ فکر امام ابو حنیفہ یا آپ کے تلامذہ کی ذاتی رائے نہ ہوتی بلکہ مجلس شوریٰ اس پر مہر تصدیق ثبت کرتی۔ اس مجلس میں قاضی ابو یوسفؒ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ تحریر کا فریضہ آپ

---

[1] ابو یوسف قاضی، کتاب الخراج ص ۶۹، ۷۰

ہی انجام دیتے بلکہ بعض معاملات مثلاً قضا و شہادت وغیرہ کے سلسلہ میں آپ کی رائے سب سے زیادہ وزنی ہوتی[1]

عہدۂ قضا

نظامِ عدل کا قیام انسان کا فطری حق ہے اور یہی وجہ ہے کہ دینِ فطرت اسلام نے اسے بہت زیادہ اہمیت دی ہے اور قاضیوں نے اسلام کے سنہری اصولوں کے مطابق حق پر مبنی اور جرأت مندانہ فیصلوں کے ذریعے اسلام کا نام روشن کیا بلکہ بعض اوقات تو غیر مسلم کسی مسلمان قاضی کے فیصلہ سے ہی متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیتے تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

حکومتِ وقت کی طرف سے منصب قضاء کی پیشکش پر اس شخص کا ردِ عمل کیا ہونا چاہیئے جو شرائط سے بہرہ ور ہو۔ اس سلسلے میں فقہاءِ اسلام نے واضح طور پر بتایا کہ اگر متعدد افراد اس منصب کے لائق ہوں تو پھر پیشکش قبول کرنے یا رد کرنے کا اختیار ہے لیکن . . . . اگر صرف وہی اس منصب کی اہلیت رکھتا ہو کوئی دوسرا شخص اس پر فائز ہونے کے لائق ہی نہ ہو تو قضا کی پیشکش قبول کرنا فرضِ عین ہے اس لیے کہ بندگانِ خدا کے درمیان عدل پر مبنی فیصلہ کرنا اور حق دار کو اس کا حق پہنچانا فرض ہے[2] جب تعدد اشخاص منصب قضاء پر فائز ہونے کی اہلیت رکھتے تھے، تو بعض اکابر علماءِ حدیث و فقہ نے اپنے آپ کو دربار سلطنت اور سرکاری مناصب سے کنارہ کش رکھا کیونکہ انہیں یہ صورت آزادیِ رائے اور تقویٰ کے لیے محفوظ ترین نظر آتی تھی دربار سے وابستگی کے بعد حکمران اور اس کے حاشیہ نشینوں کے چنگل میں پھنس جانے اور علمی امانت کا حق ادا نہ کر سکنے کے اندیشہ کی بنا پر ان

---

[1] ابن عابدین شامی، ردالمختار ج اول ص ۵۰۔

[2] ابوبکر بن مسعود کاسانی بدائع الصنائع ج ۷، ص ۳ تا ۴۔

بزرگان دین نے یہ پالیسی اختیار کی۔امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، سفیان ثوری، امام ز
اور عبداللہ بن مبارک جیسے بلند پایہ اصحاب علم و دانش نے یہ منصب اسی خدشہ کے پ
نظر قبول نہ کیا۔ لیکن قاضی ابویوسف علیہ الرحمہ نے یہ منصب قبول کیا کیونکہ آپ اس منص
کے ذریعے احکام شریعت کے نفاذ اور حنفی فقہ جسے امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ نے
سنت کے مطابق اجتہاد و استنباط کے ذریعے مرتب کیا تھا کی ترویج و اشاعت کرنا چ
تھے۔ بلکہ اسی اہم مصلحت کے پیش نظر آپ نے امام محمد رحمہ اللہ کو ان کی ناپسندیدگی کے باو
شام کے شہر رقہ میں قاضی کا عہدہ قبول کرنے پر باصرار آمادہ کیا اور یہی دلیل پیش کی
اس طرح شام میں حنفی مسلک کی اشاعت کا موقعہ ملے گا[1]

تاریخ بتاتی ہے کہ قاضی ابویوسفؒ نے اس منصب کو قبول کرنے کے بعد نہایت
جرأت مندانہ فیصلے کئے، حاکم وقت یا دیگر آفیسران کو اُن کی غلطیوں پر نہایت بے خو
سے ٹوکا اور حنفی فقہ کی ترویج و اشاعت میں اچھا خاصا حصہ لیا خصوصاً قاضی القضاۃ
عہدہ پر فائز ہونے کے بعد آپ کی کاوشوں سے یہ فقہ عباسی خلافت کے طول و عر
پر چھا گئی، حقیقت یہ ہے کہ فقہ حنفی میں اتنی لچک موجود ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے و
اصول اس قدر جامع ہیں کہ وہ مختلف علاقوں، مختلف قوموں اور مختلف زبانوں کے
تقاضے پورے کر سکتی ہے۔

قاضی ابویوسفؒ تین عباسی خلفاء المہدی، ہادی اور ہارون الرشید کے زمانہ خلا
میں منصب قضا پر فائز رہے۔ خلیفہ المہدی نے ۱۶۶ھ میں آپ کو بغداد کے مشرقی
کا قاضی مقرر کیا[2] ایک دوسری روایت کے مطابق مہدی نے آپ کو اپنے لڑکے ا و

---

[1] تبع تابعین ص ۳۴۔

[2] خطیب بغدادی تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۲۴۷۔

ولی عہد موسیٰ الہادی کا اتالیق مقرر کیا تھا ، ساتھ ہی آپ جرجان میں عہدہ قضا پر بھی مامور تھے[1] جب ہادی منصب خلافت پر فائز ہوا تو آپ کو اپنے ساتھ بغداد لے گیا، الہادی کے دور میں آپ بغداد کے قاضی بنا دیئے گئے اور پھر ہارون الرشید کے دور میں (۱۷۱ھ) آپ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ دے دیا گیا۔ تادم واپسیں آپ اس عہدہ پر فائز رہے۔

قاضی القضاۃ قاضی ابویوسف قدس سرہٗ اسلام میں سب سے پہلے قاضی القضاۃ ہیں آپ کو "قاضی قضاۃ الدنیا" بھی کہا جاتا تھا[2] اس منصب پر فائز ہونے کے بعد پوری عباسی خلافت میں آپ کے مشورہ اور حکم سے قاضیوں کا تقرر ہوتا اس کے علاوہ آپ خلیفہ ہارون الرشید کے مشیر خاص بھی تھے ، وہ اہم سیاسی مالی اور انتظامی امور میں آپ سے مشورہ لیا کرتا تھا۔ آپ خلیفہ کے معتمد علیہ اور اس کے مقربین خاص میں سے تھے۔

امام ابویوسف قدس سرہٗ نے بحیثیت قاضی القضاۃ علما وغیر علماء کے لباس میں سرکاری اور قانونی طور پر فرق و امتیاز پیدا کیا علماء کے لیے خاص لباس ضروری قرار دیا گیا جسے غیر علماء استعمال نہ کر سکتے تھے۔ علاوہ ازیں آپ کو اس بات میں بھی اولیت حاصل ہے کہ آپ نے مملکت کا دورہ کر کے قاضیوں کی کارگزاری اور حالات کی چھان بین کی[3]

---

[1] محمد ابن سعد الطبقات الکبریٰ ج ۷، ص ۳۳۲ تا ۳۳۱۔

[2] ابن کثیر البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۱۸۰۔

[3] محمود بن محمد۔ تاریخ القضاء فی الاسلام ص ۲۹۷۔

جرأت مندانہ فیصلے قاضی کی حیثیت میں امام ابویوسفؒ نے ہمیشہ شریعت مقدم رکھا اور اسی کے مطابق فیصلے کئے۔ خاص وعام امیر وغریب اور حاکم ومحکوم کے درمیان کوئی امتیاز نہ برتا حتی کہ آپ نے خلیفہ کے خلاف فیصلہ کرنے میں بھی کوئی جھجک محسوس نہ کی اور کسی قسم کا خوف یا لالچ آپ کے پائے استق میں لغزش پیدا نہ کرسکا۔ چنانچہ ایک بار ایک شخص نے خلیفہ الہادی کے ایک باغ کے بارے میں دعویٰ کیا کہ وہ باغ اس کی ملکیت ہے حقیقت یہی تھی لیکن ہادی کے حق میں شہادتیں موجود تھیں قاضی ابویوسفؒ نے خلیفہ کے خلاف رائے قائم کی اور ہادی کے دریافت کرنے پر کہ اس مقدمہ کا کیا فیصلہ کیا گیا، آپ نے فرمایا "امیرالمومنین کا مخالف مجھ سے مطالبہ کرتا ہے کہ میں امیرالمومنین سے اس بات کا حلف لوں کہ ان کے گواہوں نے حق کے مطابق گواہی دی ہے" ہادی نے پوچھا "آپ کے نزدیک یہ مطالبہ درست ہے؟" فرمایا "ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک ایسا ہی ہے" (حالانکہ خود قاضی ابویوسف اس کے قائل نہ تھے) یہ سن کر ہادی نے باغ اس شخص کے حوالے کر دیا۔[1]

نہ صرف یہ کہ انہوں نے خلیفہ کے خلاف فیصلہ کرنے میں کسی قسم کا تردد نہ کیا۔ بلکہ ایک موقعہ پر جبکہ انہوں نے خلیفہ ہارون الرشید کے خلاف فیصلہ صادر کیا تھا، اس بات کا انہیں نہایت افسوس رہا کہ مقدمہ کی کارروائی کے دوران خلیفہ اور فریق مخالف کو ایک ہی صف میں کھڑا نہ کرسکے۔[2]

نفاذِ حدود میں احتیاط نفاذ حد کے لیے جرائم کا قطعی اور یقینی ثبوت ضروری ہے اسی لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] خطیب، تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۲۴۹۔

[2] ابن کثیر البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۱۸۱۔

ارشاد پاک "شبہات کی بنا پر حدود کو ساقط کر دو" کی بنا پر فقہا اسلام نے حدود میں بالاجماع عورتوں کی گواہی کو قبول نہیں کیا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس ضمن میں کس قدر محتاط تھے، اس کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

ایک دفعہ ہارون الرشید کے دربار میں فقہاء کی ایک جماعت موجود تھی، امام ابو یوسف بھی تشریف فرما تھے۔ اسی اثناء میں ایک شخص نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ اس نے میرے گھر سے مال اٹھایا ہے، مدعیٰ علیہ نے بھی اقرار کیا۔ ہارون الرشید نے فقہاء سے استفسار کیا تو انہوں نے ہاتھ کاٹنے کا فتویٰ دیدیا۔ امام ابو یوسف رح نے فرمایا" اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا۔ کیونکہ اس نے چوری کا نہیں مال اٹھانے کا اقرار کیا ہے" اس کے بعد مدعی نے دعویٰ کیا کہ اس نے مال چوری کیا ہے مد علیہ نے بھی اقرار کیا، فقہاء نے اب بھی ہاتھ کاٹنے کا مشورہ دیا لیکن امام ابو یوسف نے ان سے اتفاق نہ کیا۔ انہوں نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا" جب اس نے مال اٹھانے کا اقرار کیا تو اس پر ضمان ثابت ہوا اور حد ساقط ہو گئی۔ اس کے بعد اس چیز کے بارے میں اس کا یہ اقرار قبول نہیں کیا جائے گا جس سے ضمان ساقط ہو جائے۔ چنانچہ فقہاء نے آپ کے اس قول کو بہت پسند کیا[۱]۔ یہ واقعہ جہاں آپ کے علمی تفوق کو ثابت کرتا ہے وہاں نفاذ حدود کے سلسلہ میں آپ کی غایت درجہ احتیاط کا بھی منہ بولتا ثبوت ہے۔

فقہ حنفی کی تدوین واشاعت

قاضی ابو یوسف قدس سرہٗ کا ایک اہم کارنامہ فقہ حنفی کی تدوین واشاعت ہے۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فقہ کی کوئی مرتب ومنظم کتاب تصنیف نہیں فرمائی بلکہ آپ کے اصحاب وتلامذہ ہی آپ کی فقہی آراء کو مدون کرتے اور ضبط تحریر

۱؎ [illegible] ۳، ۴۳، ۲۳-

میں لاتے تھے کبھی آپ انہیں املاء کراتے تھے اور گاہے آپ ان کی تائید یا تبدیلی کے لیے اُسے ملاحظہ بھی فرماتے تھے لیکن جس صورت میں آج فقہ حنفی ہمارے سامنے ہے اس کا تمام تر سہرا آپ کے تلامذہ بالخصوص قاضی ابو یوسف اور امام محمد علیہما الرحمہ کے سر ہے۔ ان حضرات کا فقہ حنفی کو نقل کر کے محفوظ کر دینا بلاشبہ ایک عظیم خدمت ہے اور اس سے امام اعظمؒ کی جلالت شان میں قابلِ قدر اضافہ ہوا کیونکہ یہ اصحاب بذاتِ خود ائمہ تھے۔[1]

عمار بن مالکؒ کہتے ہیں " امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ میں امام ابو یوسفؒ کی مانند کوئی نہ تھا اگر وہ نہ ہوتے تو امام ابو حنیفہؒ اور محمد ابن ابی لیلیٰ کا ذکر گوشہ گمنامی میں مستور ہو جاتا انہوں نے ان کے اقوال و افکار کی اشاعت کی اور ان کے علم کو دنیا میں پھیلایا۔"[2]

یورپ کے مصنفین نے افکارِ امام اعظم کا اس بنا پر انکار کیا کہ آپ کی حیات مقدسہ، آپ کے عہد کے مخصوص احوال جن سے آپ دوچار ہوئے، آپ کے اعمال سے آگاہی اور ان کے ہم تک پہنچنے کے لیے معتبر ذرائع بہت کم ملتے ہیں۔ لہٰذا ان افکار کی نسبت امام اعظمؒ کی طرف محل نظر ہے۔ لیکن ان حضرات کا یہ اندازِ فکر نہایت ہی مضحکہ خیز ہے کیونکہ ان افکار و مسائل کے ناقل آپ کے وہ تلامذہ تھے جو عینی شاہد اور آپ کے سب سے زیادہ قابل اعتماد تھے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے دَور میں بارسوخ اور باا ثر تھا لہٰذا جب تلامذہ یہ کہیں کہ ہمارے استاذ نے یوں فرمایا یا انہوں نے فلاں بات کی تائید کی تو جدید دَور کے اہل مغرب کا انہیں تسلیم نہ کرنا نہایت ہی عجیب اور

---

[1] ابو زہرہ مصری حیات امام ابو حنیفہؒ ص ۳۱۸۔

[2] محمود بن محمد بن عرنوس تاریخ القضاء فی الاسلام (اردو) ص ۲۹۵۔

مبنی بر تعصب ہے [1]

فقہ حنفی کو امام ابو یوسف کے طفیل لاتعداد فوائد حاصل ہوئے، عہدۂ قضاء پر فائز ہونے کی وجہ سے آپ نے حنفی فقہ کو عملی طور پر صیقل کر دیا، کیونکہ لوگوں کی مشکلات سے دو چار ہونا اور ان کے امراض کی تشخیص کر کے ان کے ازالہ کی کوشش کرنا قضا کا مقتضیٰ ہے۔ چنانچہ آپ لوگوں کی حاجات و نظریات سے آگاہ ہوتے نتیجتاً آپ کا قیاس و استحسان اب صرف نظری نہ رہا بلکہ عملی زندگی میں نافذ ہوا [2]

تصانیف قاضی ابو یوسف علیہ الرحمہ کو میدان تحریر میں حظ وافر نصیب ہوا تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنی خداداد علمی و فکری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے تصنیف و تالیف کے سلسلہ میں اچھا خاصا کام کیا۔ آپؒ کے رشحات قلم درج ذیل ہیں۔

کتاب الصلوٰۃ۔ کتاب الزکوٰۃ۔ کتاب الصیام۔ کتاب الفرائض۔ کتاب البیوع کتاب الحدود۔ کتاب الوکالہ۔ کتاب الوصایا۔ کتاب الصید والذبائح۔ کتاب الغصب والاستبراء۔ کتاب اختلاف الامصار۔ کتاب الرد علی مالک بن انس [3] کتاب الجوامع جو آپ نے یحییٰ بن خالد کے لئے تصنیف کی، یہ چالیس بحثوں پر مشتمل ہے۔ چھتیس بحثوں پر مشتمل "امالی" جنہیں قاضی بشر بن ولید نے روایت کیا اور جو سب کی سب امام ابو یوسفؒ کی تفریعات میں سے ہیں، کتاب الخراج [3] ادب القاضی [4] کتاب

---

[1] ابو زہرہ مصری، حیات امام ابو حنیفہ ص ۳۱۹۔

[2] ایضاً ص ۳۲۱۔

[3] ابن ندیم الفہرست ۴۸۵۔

[4] حاجی خلیفہ کشف الظنون ج اول ص ۴۶۔

الآثار' اختلاف ابی حنیفہ وابی لیلیٰ اور الرد علی سیر الاوزاعی[1]

آخری تین کتابوں کے اجمالی تعارف اور کتاب الخراج کے مضامین کے مختصر تعارف کے ساتھ ساتھ عشر و خراج سے متعلق آپ کے افکار و نظریات کا ذکر یقیناً قارئین کی دلچسپی کا باعث ہو گا۔

کتاب الآثار اس کتاب کو قاضی یوسفؒ اپنے والد قاضی ابو یوسفؒ کے واسطہ سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں اس کے بعد سند، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک یا کسی صحابی یا آپ کے کسی پسندیدہ تابعی تک متصل ہے بنا بریں یہ کتاب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مُسند کی حیثیت رکھتی ہے جو امام ابو یوسفؒ اور ان کے فرزند کے توسط سے ہم تک پہنچی۔ اس کتاب کے مطالعہ سے وہ پورا ماحول سامنے آجاتا ہے جس میں آپ نے فقہی مسائل کا استنباط کیا۔ نیز اس سے آپ کے اجتہاد و استنباط کا مقام واضح ہوتا ہے[2]

اختلاف ابن ابی لیلیٰ اس کتاب میں امام ابو حنیفہ اور قاضی ابن ابی لیلیٰ کے درمیان مختلف فیہ مسائل کا ذکر ہے اور ان تمام مسائل میں امام ابو یوسفؒ نے امام ابو حنیفہؒ کا ساتھ دیا ہے اگرچہ دونوں اکابر آپ کے اساتذہ میں شامل تھے[3]

الرد علی سیر الاوزاعی اس کتاب میں امام ابو یوسف، امام اوزاعی کے ان مسائل کی تردید کرتے ہیں جن میں وہ امام ابو حنیفہؒ

---

[1] ابو زہرہ مصری، تاریخ المذاہب الاسلام ج ۲ ص ۱۷۱۔

[2] ایضاً۔

[3] ایضاً۔

کے خلاف ہیں ان مسائل کا زیادہ تر تعلق احکام جنگ اور ان سے متعلق مسائل، امان صلح اور غنائم وغیرہ سے ہے[1]

کتاب الخراج خلیفہ ہارون الرشید نے خراج وجزیہ کے متعلق قاضی ابو یوسفؒ سے یادداشتیں طلب کی تھیں قاضی موصوف نے اس کے جواب میں خلیفہ کو ایک تحریر بھیجی جس میں حکومت کے مالی وسائل اور ذرائع آمدن کا تفصیلی ذکر ہے۔

علاوہ ازیں عشر و زکوٰۃ، فے وغنیمت، عشور وجزیہ، خراج زمین، قوانین جنگ فوجداری اور دیوانی قوانین حکمران اور افسران حکومت کی ذمہ داریاں، رعایا کے فرائض فلاح عامہ سے متعلق امور و مسائل، ذمی، معاہد، مستامن، حربی، مرتد اور باغی افراد کے احکام، محکمہ ڈاک اور خبر رسانی وغیرہ نیز زمینوں، چراگاہوں دریاؤں، چشموں اور نہروں سے متعلقہ امور کے علاوہ مسائل شکار و بیع سے متعلق احکام پر سیر حاصل بحث کی ہے کتاب الخراج کے اس اجمالی تعارف کے بعد عشر و خراج سے متعلق قاضی ابو یوسف علیہ الرحمہ کے افکار و نظریات، قدرے تفصیل سے پیش خدمت ہیں تاکہ پاکستان میں نفاذ اسلام کے ضمن میں پیش رفت کے تناظر میں ان سے استفادہ کیا جا سکے۔

عشری زمین عشری اور خراجی زمین کی تعریف سے متعلق خلیفہ ہارون الرشید کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں!

"ہر وہ زمین جس کے مالک اس پر قابض رہتے ہوئے اسلام لائے

---

[1] ابوزہرہ مصری، تاریخ المذاہب الاسلامیہ ج ۲ ص ۱۷۱۔

ہوں، ان کی ملکیت ہے اور عشری قرار پائے گی۔ خواہ وہ زمین عرب کی ہو یا عجم کی۔"

اسی طرح بت پرست عربوں کی زمین اور ہر اس فرد کی زمین عشری قرار پائے گی جن سے جزیہ قبول نہ کیا جاتا ہو بلکہ اس کے لئے اسلام لانے یا قتل کئے جانے کے علاوہ اور کوئی صورت نہ رکھی گئی ہو، خواہ امام نے اس زمین پر (بزور) غلبہ حاصل کیا ہو۔ وجہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزمین عرب کے ایسے متعدد علاقے فتح کئے اور انہیں بغیر تقسیم کے چھوڑ دیا وہ زمینیں قیامت تک عشری رہیں گی۔ عجم کے جس علاقہ کو امام نے فتح کر لیا ہو اور پھر اسے ان لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا ہو جنہوں نے اسے بطور غنیمت حاصل کیا تھا تو وہ زمین عشری ہے۔[1]

نصاب عشر

نصاب عشر کے ضمن میں کس صورت میں دسواں حصہ ہو گا اور کس شکل میں بیسواں حصہ ادا کیا جائے گا؟ اس سلسلہ میں امام ابو یوسف علیہ الرحمہ تمام علماء کا اتفاق نقل کرتے ہیں البتہ نصاب عشر کے ضمن میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے استاذ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سے اختلاف ہے فرماتے ہیں۔

"جن زمینوں کو (خود رو) نہروں وغیرہ سے پانی دیا جاتا ہو ان کی پیداوار میں عشر یعنی دسواں حصہ ہے لیکن جب ڈول، بڑے ڈول، یا جانوروں ...... کے ذریعے پانی دیا جاتا ہو تو ان پر رہٹ، ڈول اور پانی لانے والی اونٹنی (پر مصارف اور محنت) کے بار کے پیش نظر بیسواں حصہ عائد ہو گا۔"[2]

---

[1] ابو یوسف قاضی، کتاب الخراج ص ۵۷۔

[2] ایضاً۔

نصاب عشر کے ضمن میں فرماتے ہیں:

"اگر پیداوار پانچ وسق[1] سے کم ہو تو اس میں کچھ بھی واجب نہ ہوگا اور اگر زمین سے اڑھائی وسق "گیہوں" اور اڑہائی وسق "جو" پیدا ہوں تو بھی اس میں عشر واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر ایک وسق "گیہوں" ایک وسق "جو" ایک وسق "دہان" ایک وسق "کھجور" اور ایک وسق "کشمش" پیدا ہو اور تمام اجناس مل کر پانچ وسق پورے ہوجائیں تو اس میں بھی عشر ہوگا۔ اگر پانچ وسق سے ایک وسق یا اس سے کچھ تھوڑا یا زیادہ کم ہو تو وہ مستثنیٰ ہے"۔[2]

خراجی زمین

"عجمیوں کے علاقوں میں سے امام نے جس علاقہ کو فتح کر کے اسے ایسے (غیر مسلم) باشندوں ہی کے قبضہ میں رہنے دیا ہو اس علاقہ کی زمین خراجی ہوگی اس کی نظیر یہ ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اہل عجم کی زمین فتح کر کے اسے انہی لوگوں کے قبضہ میں رہنے دیا تو وہ خراجی قرار پائیں۔ اہل عجم کی ہر وہ زمین جس پر امام نے اس کے باشندوں سے صلح کر لی ہو اور وہ لوگ ذمی بن گئے ہوں، خراجی زمین ہوگی[3] کسی نے افتادہ زمین آباد کی تو اگر وہ زمین ایسے علاقہ کی ہو جو پہلے مشرکین کے قبضہ میں تھا پھر اسے مسلمانوں نے فتح کر لیا اور آباد کرنے والا اس کے لیے کسی ایسے چشمہ وغیرہ سے پانی لاتا ہے جو پہلے مشرکین کے قبضہ میں تھا

---

[1] ایک وسق، ساٹھ صاع کا ہوتا ہے ایک صاع میں ۲۹، ۲۱۷۳ گرام گیہوں آتے ہیں۔

[2] ابو یوسف قاضی کتاب الخراج ص ۵۶۔

[3] ایضاً ص ۵۷۔

تو یہ زمین خراجی قرار پائے گی۔ البتہ اگر وہ اس قسم کا پانی استعمال نہیں کرتا بلکہ اسی زمین سے کنواں وغیرہ کھود کر اس کا احیاء عمل میں لاتا ہے تو وہ زمین عشری قرار پائے گی لیکن اگر اس کے لیے اس زمین پر ان نہروں سے پانی لانا ممکن ہو جو پہلے عجمی قوموں کے قبضے میں تھیں تو خواہ یہ پانی لائے یا نہ لائے، زمین خراجی ہوگی [1]

جس مشرک قوم سے امام اس شرط پر صلح کرے کہ وہ اس کا فیصلہ اور تقسیم تسلیم کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیں اور خراج ادا کریں گے وہ اہل ذمہ قرار دیئے جائیں گے اور ان کی زمین خراجی ہوگی ان سے جتنے (مالیہ) پر صلح ہوئی ہے وہ لیا جاتا رہے گا اور ان سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا جائے گا اور طے شدہ مالیہ میں اضافہ نہ کیا جا سکے گا۔" [2]

نظامِ تحصیلِ خراج تحصیل خراج کے سلسلہ میں دو قسم کے نظام بروئے کار لائے جا سکتے ہیں۔

۱۔ نظام المساحہ یعنی پیمائش رقبہ پر مبنی نظام اور۔

۲۔ نظام المقاسمہ کسی خاص نسبت سے پیداوار میں حصہ دار بن جانا۔

ایرانی سلطنت کے دور میں کسریٰ نوشیرواں کے زمانہ (۵۳۱ء — ۵۷۸ء) سے یہ دستور چلا آ رہا تھا کہ زمین کا محصول رقبہ کے حساب سے ایک متعین شرح کے مطابق وصول کیا جاتا تھا مثلاً اتنے درہم فی جریب اور اتنا غلہ فی جریب۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ (۱۳ھ — ۲۳ھ) میں جب عراق اور شام کے علاقے اسلامی

---

[1] ابو یوسف قاضی کتاب الخراج ص ۷۵۔

[2] ایضاً ص ۶۸، ۶۹۔

مملکت کی حدود میں آگئے تو بھی یہی طریقہ باقی رکھا گیا، خلفائے راشدین و بنو امیہ اور عباسی خلیفہ منصور کی وفات تک یہی طریقہ (نظام المساحہ) جاری رہا۔

خلیفہ منصور کے عہد میں بغداد کی تعمیر کے بعد غلہ اور دوسری اشیاء ضرورت کے نرخ کافی ارزاں ہو گئے تھے جب کہ اس دور خلافت کے ابتدائی چند برسوں میں خاصی گرانی تھی صورت حال میں اس تبدیلی کی بنا پر تحصیل خراج کے نظام میں بھی کسی بنیادی اصلاح کی ضرورت محسوس کی گئی اور مہدی کے وزیر ابو عبداللہ نے سابق نظام بدل کر نظام مقاسمہ یعنی پیداوار میں ایک متعین نسبت سے بٹائی کا اصول نافذ کرنے کی تجویز پیش کی۔ مہدی نے یہ اصلاح نافذ کر دی۔ اس طریقۂ تحصیل کی خوبی یہ ہے کہ قیمتوں کے اتار چڑھاؤ. اور کمی بیشی کا اثر کاشتکاروں اور سرکاری خزانہ دونوں میں یکساں پڑتا ہے اور اس تبدیلی سے دونوں کے مفاد میں کوئی ٹکراؤ نہیں پیدا ہوتا نہ آئے دن خراج کی شرح تبدیل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے[1]

قاضی ابو یوسف نے دونوں نظاموں کا موازنہ کرتے ہوئے نظام مقاسمہ کو ترجیح دی اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے نظام مساحہ کو اختیار کرنے کی نہایت مناسب توجیہ بھی فرمادی ارشاد فرماتے ہیں:

"میں نے علاقہ سواد کے خراج اور دوسرے محاصل طے کرنے کے طریقوں پر غور کیا اس سلسلہ میں، میں نے خراج کے متعلق علم رکھنے والوں اور دوسرے حضرات کو جمع کر کے بحث و مذاکرہ بھی کیا لیکن بعض نے اس باب میں ایسی آراء ظاہر کیں جن پر عمل ناجائز ہوگا۔ میں نے ان سے

---

[1] نجات اللہ صدیقی مقدمہ کتاب الخراج (اردو) ص ۶۶، ۶۷۔

ان محاصل کی بابت بھی گفتگو کی جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان لوگوں پر زمین کے خراج کے طور پر عائد کئے گئے تھے اور یہ بات سامنے رکھی کہ اس وقت ان کی زمینیں ان محاصل کا بار برداشت کر سکتی تھیں (ان باتوں پر غور و فکر کے بعد) میں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ محصول کے طور پر غلہ کی کوئی متعین مقدار یا درہموں کی کوئی متعین تعداد مختلف شرحوں کے ساتھ عائد کرنا سلطان اور بیت المال کے لئے باعث نقصان ہوگا۔ یہ شکل خراج ادا کرنے والی رعایا کے باہمی معاملات کے لیے بھی مضر ہوگی۔ جہاں تک متعین مقدار غلہ کی شکل میں خراج عائد کرنے کا سوال ہے تو غلہ زیادہ سستا ہونے کی صورت میں سلطان اس کو گوارہ نہیں کرے گا۔ ان محاصل کے ذریعے نہ فوجوں کو ضروری قوت بہم پہنچائی جا سکے گی اور نہ سرحدوں پر فوجی چوکیوں کا قیام و انتظام ٹھیک ہو سکے گا۔ اور اگر غلہ زیادہ گراں ہوا تو خراج ادا کرنے والوں کو مقدار مقررہ گراں معلوم ہوگی۔ لیکن سلطان کو اس میں تخفیف گوارہ نہ ہوگی،،[1]

نظام مساحہ کی خرابی بیان کرنے کے بعد حکومت اور رعایا کے لیے ہر حالت میں قابل عمل اور رافع نزاع نظام "نظام مقاسمہ" کی تجویز پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میرے خیال میں پیداوار میں ایک منصفانہ ہلکی سی نسبت سے حصہ دار بن جانا بیت المال کی آمدنی بڑھانے، خراج ادا کرنے والوں کو ایک دوسرے کی دست درازیوں اور ایک دوسرے پر بے جا بار ڈالنے نیز

---

[1] ابو یوسف قاضی کتاب الخراج ص ۵۱ تا ۵۲۔

ان کو والیوں اور دوسرے افسران حکومت کی جانب سے ظلم وزیادتی کا شکار ہونے سے بچانے کا بہترین طریقہ ہے۔"[1]

[جو]ازِ مزارعت قاضی ابو یوسف علیہ الرحمہ نے تحصیل خراج کے لیے مزارعت کا طریقہ (نظام المقاسمہ) تجویز فرمایا۔ چونکہ مزارعت کے جواز و [عد]مِ جواز میں اختلاف تھا اس لیے آپ نے مزارعت سے متعلق اپنے مؤقف کی وضاحت [ک]رتے ہوئے فرمایا:

"میرے نزدیک اس معاملہ کی نوعیت وہی ہے جو مضاربت کی ہے۔ کہ اس میں ایک آدمی دوسرے کو نفع و نقصان آدھے یا تہائی کی نسبت سے شریک ہونے کی شرط پر اپنا مال بطور مضاربت دیتا ہے اور ایسا کرنا جائز ہوتا ہے حالانکہ معاملہ مجہول ہے معلوم نہیں نفع کس قدر ہوگا۔ جہاں تک مجھے علم ہے اس معاملہ کی نوعیت اور اس کے جواز کی بابت علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں میرے نزدیک زمین کا معاملہ بھی مضاربت جیسا ہے کہ زمین خواہ خالی ہو یا اس میں کھجور اور درخت بھی ہوں سب کی نوعیت یکساں ہے۔"[2]

اپنے مؤقف کو مدلل بناتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو نصف پر بٹائی کا معاملہ کر کے یہود کے حوالے کیا تھا۔ آپ

---

[1] ابو یوسف قاضی کتاب الخراج ص ۵۳، ۵۴۔

[2] ایضاً ص ۹۶۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیجتے تھے وہ اندازے سے دو حصے کر دیتے پھر انہیں اختیار دیدیتے کہ دونوں حصوں میں سے جو چاہیں خود رکھ لیں یا آپ ان سے یہ کہتے "تم اندازے سے تقسیم کرو اور مجھے اختیار دو" اس پیشکش پر وہ لوگ کہا کرتے تھے "اسی عدل کی وجہ سے زمین و آسمان قائم ہیں" [1]

بٹائی کی شرح تحصیل خراج کے لیے نظام مقاسمہ کی صورت میں آپ نے درج ذیل شرح پر بٹائی کی تجویز پیش کی۔

چشموں اور قدرتی نہروں سے سیراب ہونے والی زمین سے گیہوں اور جَو کی پیداوار پر ۲/۵ اور رہٹ سے سیراب کی جانی والی زمین کی پیداوار میں ۱/۱۰ کھجور، انگور اور دیگر باغات میں ۱/۳ اور گرمی میں پیدا ہونے والے غلوں پر ۱/۴ کے ساتھ بٹائی کا معاملہ طے کیا جائے۔ ان میں سے کسی چیز پر بھی خراج کی وصولی اندازہ کرکے نہ ہو بلکہ پیداوار تاجروں کے ہاتھوں فروخت کرکے مجموعی قیمت سے حصے تقسیم کئے جائیں یا اس کی ایک منصفانہ قیمت لگائی جائے جس میں نہ تو خراج ادا کرنے والوں پر کوئی زیادتی ہو، نہ حکومت کا کچھ نقصان۔ پھر اس حساب سے جو کچھ ان کے ذمہ نکلتا ہو، لے لیا جائے۔ ان دونوں صورتوں میں سے جو صورت، خراج ادا کرنے والوں کے لئے سہل تر ہو اختیار کی جائے [2]

---

[1] ابو یوسف قاضی، کتاب الخراج۔ ص ۴۵۔

[2] ایضاً

عشر و خراج کے اعتبار سے اشیاء کی نوعیت

امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے کتاب الخراج میں بالوضاحت بیان فرمایا کہ کن چیزوں میں عشر ہوگا کن میں خراج اور کون کونسی چیزیں مستثنیٰ ہونگی، فرماتے ہیں:

"میری رائے میں عشر صرف اسی پیداوار پر ہوگا جو لوگوں کے پاس باقی رہتی ہیں اور قفیز اور رطل سے ناپی جاتی ہیں مثلاً گیہوں، جو، چاول، مکئی، دوسرے غلے، سمسم، پٹ سن، بادام، چلغوزہ، اخروٹ، پستہ، زعفران، قرطم، دھنیا، زیرہ رومی، پیاز، لہسن اور اسی قسم کی دوسری اشیاء جب زمین میں ان اشیاء کی پانچ وسق یا اس سے زیادہ پیداوار ہو۔ تو اس میں عشر واجب ہوگا بشرطیکہ یہ زمین بہتے ہوئے پانی اور بارش سے سیراب ہوتی ہو ورنہ بیسواں حصہ (واجب) ہوگا۔

زعفران اگر عشری زمین میں اس قدر پیدا ہو کہ اس کی قیمت زمین سے پیدا ہونے والے سب سے کم قیمت کے غلہ جس پر عشر لیا جاتا ہو، کے پانچ وسق کی قیمت کے مساوی ہو تو عشر واجب ہوگا۔ اگر خراجی زمین میں پیدا ہو تو اسی تفصیل کے مطابق خراج واجب ہوگا [1]

شہد، اخروٹ اور بادام وغیرہ کے سلسلہ میں یہ حکم ہے کہ شہد عشری زمین میں ہو تو عشر اور خراجی زمین میں ہو تو کچھ نہیں واجب ہوگا اگر میدانوں یا پہاڑوں یا غاروں میں پایا جائے تو بھی اس میں کچھ نہیں واجب ہوگا جیسے

---

[1] ابو یوسف قاضی، کتاب الخراج۔ ص ۵۶

پہاڑوں اور وادیوں میں پائے جانے والے پھلوں میں نہ خراج ہے نہ عشر۔

اخروٹ، بادام، چلغوزہ اور اس قسم کی دوسری اشیاء عشری زمین میں پیدا ہوں تو عشر واجب ہوگا اور خراجی زمین میں پیدا ہونے کی صورت میں خراج، کیونکہ یہ ناپی جانے والی اشیاء ہیں۔

جو چیزیں ذخیرہ کرکے رکھی نہیں جا سکتیں مثلاً سبزیاں نیز چارہ اور ایندھن وغیرہ اور اسی طرح جو اشیاء باقی نہیں رہتیں مثلاً تربوز، ککڑی، کھیرا، بینگن اور گاجر وغیرہ ان میں نہ عشر ہے نہ خراج۔

بانس اور گنا عشری بھی ہیں اور خراجی بھی یعنی جیسی زمین ہوگی اسی قسم کا حکم ہوگا کیونکہ گنا تو غذائی اشیاء میں سے ہے اور بانس اگرچہ غذائی استعمال میں نہیں آتا لیکن ایک قیمتی اور مفید چیز ہے۔

مٹی کے تیل، تارکول، پارہ، موئیا (ایک قسم کی دوا) جب ان میں سے کسی کا چشمہ زمین میں پایا جائے تو چاہے عشری زمین میں ہو چاہے خراجی میں، کچھ بھی واجب نہ ہوگا[1]

زمین کی حیثیت بدلنا

آپ کے نزدیک عشری و خراجی زمین کا تغیر و تبدل ناجائز ہے۔ فرماتے ہیں:

"کسی فرد کے لئے جائز نہیں کہ خراجی زمین کو عشری یا عشری زمین کو خراجی بنا دے ایسا کرنے کی عموماً یہ شکل ہوتی ہے کہ کسی فرد کے پاس عشری زمین ہو اور اس سے متصل کوئی خراجی زمین بھی ہو پھر یہ شخص اسے خرید کر اپنی زمین میں ملا لے اور تمام زمین پر عشر ادا کرنے لگے یا کسی کے پاس

---

[1] ابو یوسف قاضی کتاب الخراج۔ ص ۵۶ تا ۶۱۔

خراجی زمین ہو اور اس سے متصل عشری زمین بھی ہو جسے یہ خرید کر اپنی زمین میں ملا لے اور اس پر بھی خراج ادا کرنے لگے [1]

خراج اور زکوٰۃ و عشر کو مخلوط نہ کیا جائے

تحصیل صدقات (زکوٰۃ و عشر) اور خراج حاصل کرنے کا نظام جدا جدا ہو تاکہ صدقہ و خراج مخلوط نہ ہو پائے اس ضمن میں قاضی ابو یوسف، خلیفہ ہارون الرشید کو لکھتے ہیں:

"صدقات کی تحصیل کا کام خراج وصول کرنے والے افسران کے ذمہ نہ کیجئے کیونکہ صدقہ کے مال کو خراج کے ساتھ خلط ملط نہیں ہونا چاہیئے. بایں سبب کہ خراج تمام مسلمان کے لئے فئے کی حیثیت رکھتا ہے اور صدقات صرف ان لوگوں کا حق ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے" [2]

جلالت علمی

اللہ تعالیٰ نے حضرت قاضی ابو یوسف علیہ الرحمہ کو علم دین سے حظ وافر عطا فرمایا تھا۔ آپ اپنے دور کے سب سے بڑے عالم اور حکمت و دانش میں منتہائے کمال کو پہنچنے والی شخصیت تھے۔

عمر بن حماد اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک مرتبہ دیکھا کہ امام ابو حنیفہ قدس سرہٗ تشریف فرما ہیں اور ان کے دائیں بائیں قاضی ابو یوسف اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہما بیٹھے ہوئے باہم مناظرہ میں مشغول ہیں۔ اور ایک دوسرے کے پیش کردہ فکر کو رد کرتے جارہے ہیں امام اعظم خاموشی سے سنتے رہے۔ نماز ظہر کے لئے اذان ہوئی تو امام

---

[1] قاضی ابو یوسف کتاب الخراج۔ ص ۹۴ - [2] ایضاً۔ ص ۸۷۔

ابوحنیفہ نے امام زفرؒ کی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے ارشاد فرمایا اس شہر (علم) کی ریاست کا طمع نہ کرو جس میں ابو یوسفؒ موجود ہوں پھر آپ نے امام زفرؒ کے مقابلہ میں امام ابو یوسفؒ کے حق میں فیصلہ صادر فرمایا [1]

فقیہہ اعظم آیات و احادیث کے تفقہ اور ان سے استنباطِ مسائل کے ضمن میں ابو یوسفؒ اپنی مثال آپ تھے خود آپ کا اپنا بیان ہے فرماتے ہیں:

"مجھ سے حضرت اعمش علیہ الرحمہ نے ایک مسئلہ دریافت کیا میں نے جواب دے دیا انہوں نے پوچھا تم نے یہ مسئلہ کہاں سے مستنبط کیا ہے؟ میں نے جواب دیا۔ فلاں حدیث سے، جو آپ نے ہمیں سنائی تھی۔ پھر میں نے وہ حدیث سنا دی۔ یہ سُن کر حضرت اعمشؒ نے فرمایا یعقوب! مجھے یہ حدیث اس زمانہ سے یاد ہے جب تم پیدا بھی نہ ہوئے تھے مگر اس کا صحیح منشاء مجھے آج تک معلوم نہ ہو سکا" [2]

قوت حافظہ قاضی ابو یوسفؒ نے غیر معمولی قوت حافظہ پائی تھی جس کے سبب آپ کو ایک ہی مجلس میں ایک بار سُن کر کئی احادیث مبارکہ یاد ہو جایا کرتی تھیں۔ بقول ابن جریر طبریؒ آپ حافظ حدیث مشہور تھے اور آپ کو عالم، فقیہہ کہا جاتا تھا۔ کسی محدث سے ایک ہی بار پچاس ساٹھ احادیث سنتے اور بعد میں املا کرا دیتے [3]

---

[1] ابو عبداللہ حسین بن علی قاضی، اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۹۵

[2] خطیب بغدادی: تاریخ بغداد جلد ۱۴ ص ۲۴۶

[3] محمد ابن سعد: الطبقات الکبریٰ ج ۷، ص ۳۳۰

پُر حکمت دعوت علماء حق کی طرح آپ کا انداز تبلیغ " ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة " کا آئینہ دار ہوتا، جرأت مندی اور بیباکی کے ساتھ ساتھ حکمت و دانائی آپ کے موعظہ حسنہ کا ہمیشہ شعار رہی ہے۔ ایک بار ہارون الرشید خطبہ دے رہا تھا کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا! خدا کی قسم! تم نے مال کی تقسیم میں برابری نہیں کی اور عدل و انصاف کا دامن نہیں تھاما بلکہ فلاں فلاں برائیوں کے مرتکب ہوئے ہو۔ ہارون الرشید نے اس کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ نماز کے بعد وہ شخص پیش کیا گیا تو ہارون الرشید نے امام ابو یوسف کو بھی بلا بھیجا آپ فرماتے ہیں وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ شخص دو عقابوں کے درمیان کھڑا ہے اور اس کے پیچھے دو جلاد کوڑے لئے کھڑے ہیں۔ ہارون نے کہا اس نے مجھ سے آج ایسی گفتگو کی ہے جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کی۔ یہ موقعہ بڑا نازک تھا لیکن امام ابو یوسفؒ نے نہایت جرأت اور حکمت سے ہارون الرشید کو اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ کیا اور فرمایا ایک بار حضور علیہ السلام سے بھی یہی کہا گیا کہ تقسیم غنیمت میں آپ نے انصاف نہیں کیا۔ اسی طرح ایک انصاری اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں حضرت زبیرؓ کے حق میں فیصلہ پر انصاری نے غصہ میں کہا کہ آپ نے اپنے پھوپھی زاد کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے لیکن اس کے باوجود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرمایا۔ یہ سن کر ہارون الرشید کا غصہ فرد ہو گیا اور اس نے اس شخص کو چھوڑنے کا حکم صادر کر دیا۔[۱]

حُسنِ سیرت علم و دانش، تفقہ اور جرأتمندی کے ساتھ ساتھ آپ حسن سیرت سے بھی بہرہ ور تھے۔ عبادت، تقوٰی، سخاوت، احسان شناسی اور دیگر فضائل حمیدہ کے زیور سے مرصع تھے۔ محمد بن سماعہ فرماتے ہیں: "قاضی ابو یوسفؒ منصب قضاء پہ

---

[۱] محمد زاہد الکوثری، حسن التقاضی ص۶۲ بحوالہ مقدمہ کتاب الخراج اردو ص۵۲

فائز ہونے کے بعد بھی روزانہ سو رکعت نفل پڑھا کرتے تھے[1] حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں:
"وسعت علم کے ساتھ ساتھ آپ حد درجہ کی سخاوت کی صفت سے بھی موصوف تھے[2] استاذ کے حق تربیت کو آپ نے کبھی فراموش نہیں کیا بلکہ حق استاد کا اس قدر خیال فرماتے کہ جب بھی نماز پڑھتے یا دیگر عبادت کرتے تو امام ابو حنیفہ کے لئے ضرور دعا مانگتے اور استغفار کرتے[3]"

سفرِ آخرت

تعلیم و تعلم، استنباط و استخراج، زہد و تقویٰ اور خدمت خلق سے بھرپور زندگی کی انہتر ۶۹ منزلیں طے کرنے کے بعد ۵ ربیع الاوّل ۱۸۲ھ مطابق ۲۱ اپریل ۷۹۸ء بوقت ظہر آپ نے جان، جان آفریں کے سپرد کی، عوام الناس، علماء صوفیاء، اور خود خلیفہ ہارون الرشید غرضیکہ تمام شرکاء جنازہ اداس اور مغموم تھے۔ حضرت معروف کرخیؒ بھی شامل جنازہ تھے۔ خلیفہ نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے خاندانی قبرستان میں دفن کیا[4] انا للہ وانا الیہ راجعون۔

؎ خدا رحمت کنند ایں عاشقان پاک طینت را

---

[1] ابو عبداللہ حسین بن علی قاضی، اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ ص ۹۳۔

[2] حافظ ذہبی، العبر فی خبر من غبر ج اول ص ۲۸۵۔

[3] ابو عبداللہ حسین بن علی قاضی، اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ ص ۹۳۔

[4] تیخ : بعلہ، س ۱۴۰۔۱۴۰۔